مولانا محمد جعفر پھلواروی

قرآن کریم کی روشنی میں تعلیم کا تصوّر

قرآن کی روشنی میں تعلیم کے تصور پر غور کرتے وقت یہ نکتہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن نے تعلیم کا جو کچھ بھی تصوّر دیا ہے وہ قرآن کے پورے تصورِ زندگی سے الگ ہو کر نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ یعنی قرآنی تصورِ تعلیم ایک ایسا نظامِ تعلیم ہے جو قرآن ہی کے دوسرے نظاموں کے ساتھ مل کر مطلوبہ نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ قرآن ہی کا نظامِ اخلاق ہو، اسی کا نظامِ معاملات اور اسی کا نظامِ معاش ہو، اسی کا نظامِ عدالت اور اسی کا نظامِ حکومت ہو۔ غرض تمام گوشہ ہائے زندگی قرآنی نظامِ زندگی سے ہم آہنگ ہوں تو قرآن کا نظامِ تعلیم بھی نتیجہ خیز ہو گا۔

دوسری بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن نے تعلیم اور تعلّم کو الگ الگ حیثیت نہیں دی ہے۔ وہ دونوں کو ساتھ رکھتا ہے اور فی الواقع ہیں بھی دونوں لازم و ملزوم۔ تعلّم کے معنی ہیں سیکھنا، علم حاصل کرنا۔ اور تعلیم کے معنی ہیں سکھانا، علم دینا۔ جو سیکھے گا نہیں وہ سکھائے گا کیا؟ علم سکھانے اور تعلیم دینے سے پہلے تو علم سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت ہو گی۔

تیسری بات یہ ہے کہ قرآنی نظامِ تعلیم میں تعلیم کا مطلب محض Literacy یعنی نوشت و خواند نہیں بلکہ Education یعنی تربیت ہے جس کا تعلق سراسر عمل سے ہے۔ قرآن نے علم کو جو مقام دیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علم اور اس کے مشتق الفاظ کم و بیش چار سو مقامات پر آئے ہیں۔ ان سب کو یہاں پیش کرنے کا موقع نہیں۔ صرف چند بنیادی مثالیں سن لیجیے:

۱۔ تخلیق انسانی کا جہاں سے آغاز ہوتا ہے اسے قرآن نے مختلف جگہوں پر قصۂ آدم

میں بیان فرمایا ہے اور بشری اور ملکی صلاحیتوں کو تمثیلی شکل میں یوں واضح کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خلیفۂ زمین بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے کہا: یہ تو فسادی و خونریز مخلوق ہے اور ہم فرشتے تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ اب ایک طرف فرشتے ہیں جو ذکر الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ بے گناہ ہیں۔ کوئی نافرمانی نہیں کرتے (یعنی وہ دبے لفظوں میں اپنا حق جتا رہے ہیں) دوسری طرف بشر ہے جو خطا کار اور فساد و خونریزی کا مرتکب ہوگا۔ مگر خدائی فیصلہ یہ ہے کہ تاجِ خلافت فرقِ آدم پر رکھا جائے گا۔ مگر یہ فیصلۂ خداوندی کیوں ہوا؟ صرف اس لیے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاسماءَ کلھا (آدم کو سب اسما کی تعلیم دے دی گئی) علم فرشتے بھی رکھتے تھے مگر لاعلم لنا الا ما علمتنا (انھیں جتنی تعلیم دی گئی اس پر وہ کوئی اضافہ نہیں کر سکتے تھے)۔ فرشتوں کا علم محدود ہے اور اس کے اندر جو فطری صلاحیت رکھی گئی ہے اس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔

حد تو یہ ہے کہ ایمان بھی بغیر علم کے ممکن نہیں۔ جن چیزوں کا کوئی علم ہی نہ ہو اس پر ایمان کیا ہوگا؟ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ایمان میں اضافے کے لیے کوئی دعا نہیں سکھائی گئی لیکن علم کے اضافے کی دعا خود حضورؐ کو سکھائی گئی ہے کہ:

وقل رب زدنی علما — یوں دعا کرتے رہو کہ میرے رب میرے علم میں اضافہ فرماتا رہ۔

علمِ انسانی کے لامحدود ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟ یہی انسان کی وہ لامحدود علمی صلاحیت ہے جس نے اسے فرشتوں پر فضیلت دے کر خلافتِ ارضی کا مستحق ٹھہرایا۔

یہاں ایک نکتہ فراموش نہ کیجیے کہ علم حیوانوں کو بھی ہوتا ہے اور بعض علم ایسے ہیں جن میں ابھی تک انسان حیوانوں کا مقابلہ نہیں کر سکا ہے۔ انسانوں کو پیش آنے والے موسمی تغیرات کا ابھی تک مکمل علم حاصل نہیں ہوا، اور محکمۂ موسمیات کی اکثر پیش گوئیاں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن بارش سے کئی دن پہلے چیونٹیوں کو علم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے منہ میں انڈے دبا کر کسی محفوظ مقام میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ چیلوں کو سال بھر پہلے علم ہو جاتا ہے کہ یہ درخت گرنے والا ہے اور وہ اپنے گھونسلے چھوڑ کر کسی اور درخت پر جا بستی ہیں۔ انسان ایک محلے سے دوسرے محلے میں جا کر راستہ بھول جاتا ہے لیکن شہد کی مکھیاں میلوں نکل کر بھی ٹھیک اپنے چھتے میں واپس آ جاتی

ہیں۔ بلی کی آنکھ پر پٹی باندھ کر دس میل پُر پیچ راستے سے لے جاکر چھوڑ آیئے، دوسرے ہی دن وہ میاؤں کرتی ہوئی آپ کی گود میں آبیٹھے گی۔ ایسے بہت سے علوم جانوروں کو حاصل ہیں لیکن خامی صرف یہ ہے کہ وہ اپنے علم میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ کتے، بندر، گھوڑے، ہاتھی، چڑیا، طوطے، وغیرہ کو آپ جو کرتب سکھا دیں وہ غلطی کے بغیر کر دکھائے گا، لیکن اپنی عقل سے کوئی نیا کرتب ایجاد نہیں کر سکے گا۔ نیز جو جانور کچھ سیکھ چکا ہے وہ دوسرے جانور کو سکھا نہیں سکتا۔ لیکن انسان کی علمی صلاحیت محدود نہیں۔ وہ علم میں نئے نئے اضافے کرتا ہے اور جو کچھ وہ خود جانتا ہے وہ دوسرے انسانوں کو سکھاتا بھی ہے۔ یعنی اس میں تعلّم اور تعلیم دونوں کی غیر محدود صلاحیت فطری طور پر موجود ہے، اور یہی وہ فضیلت ہے جس نے اسے اشرف المخلوقات بنا دیا ہے اور اس کے خطاکار اور خونریز فسادی ہونے کے باوجود فرشتے اس کے آگے سربسجود ہیں۔

۲۔ قرآن پاک نے اپنی ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر یوں کیا ہے:

الرحمٰن ۝ علّم القرآن ۝ خلق الانسان ۝ علمه البیان ۔	خدائے رحمان نے پڑھنا سکھایا۔ انسان کو پیدا کرکے اسے اپنا مافی الضمیر ادا کرنا بھی سکھایا۔

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پڑھنا اور اپنا مافی الضمیر واضح کرنے کی صلاحیت دونوں ایسی نعمتیں ہیں جن کا تعلق تعلیم ہی سے ہے، اور یہ دونوں صلاحیتیں ایسی ہیں جو اشرف المخلوقات ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۳۔ اس سے بھی زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ نبی امیؐ خود معلّم ہے۔ کتاب کا بھی اور حکمت کا بھی (یعلمھم الکتٰب والحکمة) اس لیے ان دونوں ہی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہوا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق ۝ خلق الانسان من علق ۝ اقرأ وربك الاکرم ۝ الذی علّم بالقلم ۝ علم الانسان ما لم یعلم۔

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو ایک کیڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جس کا اسے علم نہ تھا۔

اس پہلی وحی مُنزل میں پڑھنے کے ساتھ قلم کے ذریعے تعلیم کا بھی ذکر ہے۔ نیز آخر میں انسان کی لامحدود علمی صلاحیت کی نعمت کا بھی ذکر ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسیرانِ بدر میں جو لوگ اپنا زرِ فدیہ نہ ادا کر سکے تھے ان کا فدیہ آں حضورؐ نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ ہر اسیر دس دس انصاری بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھلادے۔

یہاں ایک نکتہ قابلِ ذکر ہے۔ ایک عالم وصوفی بزرگ سے میں نے یہ سن کر لطف لیا کہ: اسلام کی تو گھُٹّی میں تعلیم ہے۔ حضورؐ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ تھی اقرأ (پڑھیئے) اور علّم بالقلم (اللہ نے قلم کے ذریعے تعلیم دی)۔ پس کسی مسلمان کا تعلیم سے محروم ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارا ایک سلسلۂ طریقت تو آنحضورؐ سے ملتا ہے جنھوں نے فرمایا کہ: انا مدینۃ العلم (میں علم کا شہر ہوں) وعلی بابھا (اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں)، اور دوسرا سلسلہ یہ ہے کہ اسلام کا بدترین دشمن عمرو بن ہشام تھا۔ اس کو حضورؐ نے ابو الکفر نہیں کہا بلکہ اسے "ابوجہل" کا لقب دیا یعنی جہالت والا۔ پس ایک طرف مدینۃ العلم کا سلسلہ ہے اور دوسری طرف "ابوجہل" کا ہے۔ اب مسلمان سوچ لیں کہ انھیں کس سلسلے سے منسلک ہونا چاہیے۔ ان بزرگ نے یہ نکتہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے جلسے میں بیان فرمایا تھا[۱]، اور موصوف نے اس کے بعد اپنے نام کی رعایت سے مولانا رومی کی مثنوی کا یہ شعر بھی پڑھا تھا:

خاتمِ ملکِ سلیمان است علم جملہ عالم صورت و جان است علم

۳۔ ایک عجیب قرآنی نکتے پر بھی غور فرمایئے۔ کوئی درندہ (مثلاً باز، کتا یا چیتا) کسی حلال جانور کو پکڑ کر مار دے تو مردار و حرام ہوتا ہے۔ جانور حلال اسی وقت ہوتا ہے جب انسان اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ لیکن تعلیم کی فضیلت ملاحظہ ہو کہ اگر وہ درندہ سدھایا، یا سکھایا ہوا ہو اور اسے شکار کی تعلیم دی گئی ہو تو اس کا درجہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ وہ گویا حیوانیت کی سطح سے اٹھ کر انسانیت کی سطح تک پہنچ جاتا ہے، اور جس طرح انسان کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے اسی طرح ایک سکتے کا پکڑا ہوا شکار بھی حلال ہو جاتا ہے اگر اسے ذبح کرنے کا موقع نہ مل سکے اور

---

[۱] یہ تھے حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ٹرسٹی اور ندوۃ العلما لکھنؤ کے بانی۔ (ادارہ)

اسے بسم اللہ کہہ کر چھوڑا جائے۔ قرآنی الفاظ اس بارے میں یوں ہیں :

وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ۔

شکاری جانوروں کو تم شکار کی وہ تعلیم دو جو تعلیم اللہ نے تمھیں دی ہے تو وہ جو کچھ تمھارے لیے پکڑیں اس میں سے کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام لو۔

پس جو فرق تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ شکاری جانوروں میں ہے وہی فرق تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ انسانوں کے کام میں بھی سمجھنا چاہیے۔ جب ہی تو قرآن نے کہا ہے :

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون

پوچھو کہ صاحب علم اور بے علم برابر ہیں۔

اس آیت کا جو نکتہ خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے فکلوا مما امسکن علیکم یعنے وہ تعلیم یافتہ شکاری جانور اپنے نفس کے لیے شکار نہ کرے بلکہ تمھارے لیے پکڑے۔ یوں تو ہر درندہ شکار ہی کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہے لیکن اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوتا۔ حلال صرف وہ شکار ہے جو شکاری جانور نے اپنے چھوڑنے والے انسان کے لیے پکڑا ہو اپنے نفس کے لیے نہ پکڑا ہو۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ درندے میں یہی فرق ہے۔ پس انسان بھی اگر صرف اپنے فائدے کے لیے تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ تعلیم یافتہ نہیں۔ تعلیم یافتہ انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کی بھلائی کے لیے علم حاصل کرے۔ اسی کو علم نافع کہتے ہیں اور قرآنی تصور تعلیم بھی یہی ہے کہ تعلیم محض اپنے یا اپنے بال بچوں کے لیے نہ ہو بلکہ عام انسانوں کے فائدے کے لیے ہو۔ ان دونوں کا فرق مولانا رومی نے یوں بتایا ہے کہ :

علم را بر تن زنی مارے بود علم را بر دل زنی یارے بود

یہاں تن سے مراد خود غرضی ہے اور دل کا مطلب ہے نفع خلائق۔ نفع خواہ روحانی و اخلاقی ہو یا مادی۔ علمی ہو یا سیاسی، تجارتی ہو یا معاشی، ثقافتی ہو یا معاشرتی۔ ہر نفع، نفع ہے بشرطیکہ اس میں اسی درجے کا نقصان نہ ہو، اور جس نفعے کا دائرہ جتنا زیادہ وسیع ہوگا اتنا ہی اس کا مقام بلند ہوگا۔ قرآنی تصور بھی یہی ہے کہ بقا منفعت بخش چیزوں کو ہے (واما ما ینفع الناس

فیمکث فی الارض)۔ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے سب عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔ صرف تین عمل باقی رہتے ہیں۔ صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور دعائے خیر کرنے والی صالح اولاد۔ یہاں نفع بخش علم خاص طور پر قابل غور ہے اور اس مقام پر سائنسی علوم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیا وہ علم قابلِ صد قدر نہیں جس کی بدولت کمزور بینائی والوں کو چشموں کی شکل میں آنکھیں مل گئیں۔ سماعت سے بے بہرہ، بہروں کو آلۂ سماعت مل گیا۔ لاعلاج مریضوں کو جان بخش علاج مل گیا۔ تیل بتی اور ماچس کے بغیر روشنی مل گئی۔ زمان و مکان کے طویل فاصلے سمٹ کر مختصر ہو گئے اور یہ بے بس انسان ستاروں پر اپنی کمندِ تسخیر ڈالنے لگا۔ سائنس کی ایسی ایسی ہزاروں زندہ کرامات ہیں جن سے ایک دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ کیا یہ علوم نافعہ نہیں؟ قرآن نے جہاں صحیفۂ آسمانی کو سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ذریعۂ علم بتایا ہے وہاں وہ صحیفۂ کائنات کو بھی ذریعۂ علم قرار دیتا ہے۔ وہ ستاروں اور چاند سورج کی روشنی اور گردشوں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ابر و باد، بارش و برق، پہاڑ، سمندر، اور لہلہاتے کھیت کی جانب توجہ دلاتا ہے۔ شب و روز کی تبدیلی، رنگت و زبان کے اختلاف، سائے کے پھیلاؤ اور سمٹاؤ، حتیٰ کہ مکھی، مکڑی، پرندوں اور درندوں تک کو مرکزِ توجہ بناتا ہے اور ہر ایک کو بغور دیکھ کر آیاتِ ربانی کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے:

ان فی ذٰلک لاٰیٰت للعالمین — اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں

گویا کائنات کے ایک ایک گوشے کو خدا تعلیم کا ذریعہ بتاتا ہے۔ علم خواہ حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہو یا عقل و وجدان کے ذریعے، وحی کے ذریعے ہو یا تاریخ کے ذریعے ہو۔ ہر علم، علم ہے اور ہر شے تعلیم و تعلّم کا ذریعہ ہے۔ قرآن کا تصورِ تعلیم یہ نہیں کہ ایک شخص کسی مدرسے میں جو تفسیر ــــ وہ بھی نامکمل ــــ اور حدیث و فقہ وغیرہ پڑھ لے وہ عالم ہو جاتا ہے اور تعلیم ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن کا تصور یہ ہے کہ جو جس فن کی مہارت رکھتا ہے وہ اس فن کا عالم ہوتا ہے۔ کوئی سائنس کا عالم ہے کوئی طب کا، کوئی تاریخ کا عالم ہے کوئی قانون کا۔ وھلمّ جرّاً۔ اسی طرح کوئی تفسیر کا عالم ہے اور کوئی حدیث کا اور کوئی فقہ کا۔ عالم صرف وہ نہیں جس نے کسی "دینی" عربی مدرسے میں پڑھ کر سند حاصل کر لی ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں بڑا عالم وہ ہے

جو کائنات فطرت کا علم رکھتا ہو۔ سورۂ فاطر میں اسے یوں واضح کیا گیا ہے:

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماءً فاخرجنا بہ ثمرٰت مختلفا الوانھا، ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانھا وغرابیب سود ہ ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذلک ط انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰوا ط ان اللہ عزیز غفور ہ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کیے، اور پہاڑوں میں کچھ حصے سفید اور سرخ ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور کچھ نہایت سیاہ فام ہیں۔ نیز انسانوں، جانوروں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ اس کے بندوں میں خشیت الٰہی رکھنے والے فقط علما ہیں ....)

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ ان آیات میں علم نباتات، علم جبالیات اور علم حیوانات کا ذکر کرنے کے بعد ہی فرمایا گیا ہے کہ خشیت الٰہی رکھنے والے علما ہوتے ہیں۔ یہ کون سے علما ہیں جن کا بیان ذکر ہے؟ یہ وہی علما ہیں جو اس کائنات فطرت پر غور کر کے علم حاصل کرتے ہیں۔

اس موقعے پر اس ارشاد نبوی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو ہمارے مفہوم علم کی وضاحت کے لیے بہت کافی ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اسے حضرت انس سے یوں روایت کیا ہے:

اطلبوا العلم ولو کان بالصین فان طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم۔

علم حاصل کرو خواہ چین ہی جا کر کیوں نہ ہو۔ حصول علم تو ہر مسلمان کے ذمے ایک فریضہ ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارے ہی دور کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے۔ بہر حال سوال یہ ہے کہ مذہبی تعلیمات کے لیے تو حرمین شریفین کافی تھے۔ پھر چین جا کر علم حاصل کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ چین میں اس وقت کون سی ہدایہ، میبذی، بلوغ المرام پڑھائی جاتی تھی جس کے لیے اہل اسلام وہاں جاتے؟ ہمارے دینی مدارس کا نصاب تو وہاں بہر حال نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ لیکن حضورؐ نے چین کے علوم کو بھی علم ہی کہا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ہم نے تعلیم کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ ایک دینی تعلیم اور دوسری دنیوی تعلیم۔ دینی تعلیم وہ ہے جو عربی زبان میں ہو اور کسی دینی مدرسے میں حاصل کی جائے اور دنیوی تعلیم وہ ہے جو انگریزی زبان میں ہو اور اسکول کالج میں دی جائے۔ قرآن دین و دنیا کی اس تنویت کا قائل نہیں۔ قرآن کی نگاہ میں دین، دنیا سے کوئی الگ چیز نہیں بلکہ اسی دنیا کو

ہدایاتِ الٰہی کے مطابق چلانے کا نام دین ہے۔ آفاق و انفس کا ہر علم عین دین ہے اگر رجحان و مقصد اسلامی ہو۔ اور اگر مقصد ہی غیر اسلامی ہے تو تفسیر و حدیث و فقہ بھی دنیا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے تو تعلیم گاہوں کی اس ثنویت کو ختم کر دینا چاہیے۔ تعلیم گاہ صرف ایک ہونی چاہیے جس میں رجحان و مزاج شروع سے آخر تک اسلامی ہو۔ اس صورت میں وہ تعلیم گاہ عین دینی تعلیم گاہ ہوگی۔ ہمارے اسکولوں، کالجوں میں "دینیات" کا گھنٹہ بھی رکھا جاتا ہے جس سے خواہ مخواہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ باقی جتنے گھنٹے ہیں، وہ "کفریات" کے گھنٹے ہیں۔ دینیات یا اسلامیات کے گھنٹے کی بجائے اس کا نام "فقہیات" کا گھنٹہ رکھنا چاہیے تاکہ دوسرے گھنٹوں کے اسباق کو غیر اسلامی نہ سمجھا جائے۔

مسلمانوں کے عقائد و افکار

علامہ ابوالحسن اشعری ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے جلیل القدر عالم علامہ ابوالحسن اشعری کے شاہکار مقالات الاسلامیین کا ترجمہ ہے۔ اس میں علامہ نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے ان تمام عقائد و افکار کو بغیر کسی تعصب کے بیان کر دیا ہے جو صدیوں ہمارے ہاں فکری و کلامی مناظروں کا محور بنے رہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے نفسیات، اخلاق، اور مادہ و روح کے بارے میں کن کن علمی جواہر پاروں کی تخلیق کی ہے وہاں یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجائے گی کہ ماضی میں فکر و نظر کی کجی نے کن کن گمراہیوں کو جنم دیا ہے اور ان گمراہیوں کے مقابلے میں اسلام نے کس معجزانہ انداز سے اپنے وجود کو برقرار رکھا ہے۔ قیمت ۹ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور